

اسلامی کتب کے تراجم تاریخ، ضرورت، مشکلات اور راہ حل

Translations of Islamic books history, need, obstacles and solutions

*Syed Kosar Abbas

kosarmousavi79@gmail.com

** Zakia Urooba

uroobarajput@gmail.com

Abstract

Translation is an Arabic word whose literal meaning is expressed from one language to another, whereas in general reform the act of translating what is said in one language into another language is called translation. Human civilization and culture. And in the promotion of sciences and arts, the art of translation, especially religious and literary translation, is of special importance. Introducing literature has provided a way to move new ideas from one place to another.

The basic sources of Islam, such as the Qur'an and Hadith, as well as most books on history, commentary and theology, are in Arabic, while the majority of Muslims are non-Arabs. In today's world, human relations have expanded and intensified. There has been considerable progress in the dissemination of media and publications. This is the reason why it has become necessary to get acquainted with the translation and its principles. Even the excellent and attractive translation of the Holy Quran, Hadiths, moral books and wise poems etc. can expand the scope of these teachings.

Keywords: Islamic books, non-arab, Islamic History, Uloom e Quran, Uloom e Hadith.

تعارف

ترجمہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کرنے کے ہیں جبکہ عام اصلاح میں کسی زبان میں بیان کی ہوئی بات کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کے عمل کو ترجمہ کہا جاتا ہے۔ انسانی تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون کے فروغ میں فن ترجمہ خصوصاً مذہبی اور ادبی تراجم کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ ترجمے کا عمل ہی ہے جس نے مختلف انسانی تہذیبوں اور قوموں کے درمیان حائل رکاوٹوں کی خلیج کو دور کرتے ہوئے انہیں ایک دوسرے کے افکار و نظریات اور ادب سے روشناس کراتے ہوئے نئے نئے افکار کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا راستہ فراہم کیا ہے۔

*PhD Scholar, Department of comparative religion and Islamic culture, university of Sindh Jamshoro.

**M.phil Scholar, Department of comparative religion and Islamic culture, university of Sindh Jamshoro.

دین اسلام کی بنیادی مآخذ مثلاً قرآن و حدیث نیز تاریخ، تفسیر اور علم و کلام کی اکثر کتابیں عربی زبان میں ہیں جبکہ مسلمانوں کی اکثریت غیر عرب ہے بنابرین اسلامی تعلیمات کو عربی زبان سے دیگر زبانوں میں خوبصورت، سلیس اور فنی انداز میں منتقل کرنا ایک عرب سے زائد غیر عرب مسلمانوں کی شایان شان خدمت کے مترادف ہو گا۔ آج کی دنیا میں انسانی روابط میں وسعت اور تیزی آگئی ہے۔ ذرائع ابلاغ اور مطبوعات کی نشر و اشاعت میں کافی ترقی ہو چکی ہے۔ بنابرین ترجمے کی اہمیت کا احساس پہلے کی نسبت زیادہ بڑھ گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ترجمہ اور اس کے اصولوں سے آشنائی ضروری ہو گئی ہے یہاں تک کہ قرآن مجید احادیث مبارکہ، اخلاقی کتب اور حکمت آمیز اشعار وغیرہ کا عمدہ اور دلکش ترجمہ ان تعلیمات کے دائرے میں وسعت پیدا کر سکتا ہے۔

ترجمہ کی تعریف

ترجمہ عربی زبان کا لفظ ہے اور ثلاثی مجرد کے باب ”فَعَّلَ“ کے وزن پر ہوتا ہے۔ جس کے کا لغوی معنی کسی دوسری زبان میں کلام کی وضاحت کرنا یا ایک زبان سے دوسری زبان میں کلام کو منتقل کرنا ہے۔^(۱)

اصطلاحی تعریف

لغت شناسوں نے الگ الگ لغات میں لفظ ترجمہ کے مختلف اصطلاحی تعریفیں کی ہیں مثلاً کسی زبان میں بیان کی ہوئی بات کو دوسری زبان میں منتقل کرنا، کسی مضمون کو دوسری زبان میں منتقل کرنا، کسی کی زندگی کا خاکہ پیش کرنا اور موقع کھینچنا یا ایک زبان میں بیان کیا ہوا کلام کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا ”ترجمہ“ کہلاتا ہے۔

ان مذکورہ بالا تمام تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زبان کے محض ایک لفظ کو اس کے مقابل لفظ میں منتقل کرنا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ عبارت کے مفہوم اور متکلم کے مقصود کو بھی مطلوبہ زبان میں منتقل کرنے کا نام ترجمہ ہے۔^(۲)

ڈاکٹر فاخرہ نورین کی کتاب ترجمہ کاری کے پیش لفظ میں ڈاکٹر ناصر عباس نیر ترجمہ کاری کے عمل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”ترجمہ صوتیاتی، صرفیاتی، نحوی اور معنیاتی سطحوں پر متبادلات کی تلاش کا نام ہے یعنی ترجمہ صرف ایک زبان میں ظاہر ہونے والے

خیال کا دوسری زبان میں ترجمہ نہیں؛ احساس، کیفیت، لہجہ طرز بھی ترجمہ طلب ہوتے ہیں۔“^(۳)

ترجمے میں استعمال ہونے والی اصل زبان کو زبانِ مآخذ اور اس متن کو مآخذ متن کہا جاتا ہے اور جس زبان میں ترجمہ کرنا مقصود ہو اسے مطلوبہ زبان اور اس کے ترجمے کو مطلوبہ متن کہا جاتا ہے۔^(۴)

حاجی احمد فخری ترجمے کی تعریف کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

”ہمارے نزدیک ترجمے کی تعریف یہ ہے کہ کسی مصنف کے خلیات کو لیا جائے، ان کو اپنی زبان کا لباس پہنایا جائے، ان کو

اپنے الفاظ میں و محاورات کے سانچے میں ڈھالا جائے اور اپنی قوم کے سامنے اس انداز میں پیش کیا جائے کہ ترجمے اور

تالیف میں کچھ فرق معلوم نہ ہو۔“^(۵)

ترجمہ کی غرض و غایت

ایک زبان میں لکھے گئے معانی و مفاہیم کو دوسری زبان میں منتقل کرنا تاکہ دوسری زبان والے بھی ان سے فائدہ حاصل کر سکیں۔^(۶)

فن ترجمہ کی اہمیت

فن ترجمہ کا میدان بہت وسیع ہے جس کے ذریعے نئے نئے امکانات اور اضافے تشکیل پاتے ہیں، جس میں فلسفے جیسے پیچیدہ بحثوں سے لے کر شعر و ادب جیسی نازک اور دلکش اصناف ادب کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ ابتداء میں اس فن کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی تھی ترجمے کی ضرورت صرف دینی ابلاغ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے محسوس کی جاتی تھی مگر آہستہ آہستہ سائنس اور ادب بھی اس کے حصار میں آنے لگے اور بتدریج اسے اہمیت دی جانے لگی ہے جس کے نتیجے میں آج ترجمے کے عمل نے باقاعدہ ایک فن کی صورت اختیار کیا ہے جس کے بغیر زبان و ادب میں وسعت ناممکن نظر آتی ہے۔

یہ فن ترجمہ ہی ہے کہ جس کے ذریعے زبانیں اپنے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرتی ہیں اور دوسری زبانوں میں پائے جانے والے علوم و فنون سے اپنا دامن بھرتی ہیں۔ فن ترجمہ نے انسانی تمدن کی ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا ہے کیونکہ یہی وہ کھڑکی ہے جس کے ذریعے ہم دوسری قوموں اور تہذیبوں کے اندر جھانک سکتے ہیں اور ان سے تہذیبی، علمی اور ثقافتی تبادلہ کر سکتے ہیں۔

مختلف قوموں کے ادب کا جائزہ لینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر کا آغاز تراجم ہی کے ذریعے ہوا ہے اور انہوں نے دوسری زبانوں کے ادب عالیہ کو اپنی زبان میں ڈھال کر ہی اپنے ادب کا آغاز کیا ہے۔ اس کی واضح مثال ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جب مسلمان علم و فضل کے میدان میں بہت آگے تھے اور سائنسی، علمی ادبی، ثقافتی اور تہذیبی لحاظ سے نئی نئی ایجادات کر رہے تھے، اس وقت مغرب کے دانشوروں نے اعلیٰ عربی و عبرانی ادب کو اپنی زبانوں میں منتقل کیا اور اسے زندگی کے ہر میدان میں استفادہ کر کے ترقی کی منازل طے کیں۔

دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں مختلف نوعیت کا ادب تخلیق ہوتا آ رہا ہے اور مستقبل میں بھی اس میں مزید اضافے کے وسیع امکانات ہیں لہذا تراجم کی اہمیت اور ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے تاکہ مختلف زبانوں میں تخلیق ہونے والے عمدہ اور معیاری ادب کو اپنی زبان میں منتقل کر کے نہ صرف لوگوں کو اس ادب سے روشناس کرایا جائے بلکہ دوسری تہذیبوں کے بارے میں میں آگاہی دی جائے۔

مقاصد و اہداف

کسی بھی زبان میں بیان کی ہوئی بات یا مضمون کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا بنیادی مقصد مختلف قوموں اور بولیاں بولنے والوں کے درمیان معلومات اور خیالات و افکار کا اس طرح تبادلہ کرنا ہے کہ ایک بولی بولنے والے دوسری بولیاں بولنے والوں کی مختلف میدانوں میں پائی جانے والی علمی ترقی، افکار، خیالات اور معلومات کے ذخیروں سے استفادہ کر سکیں۔ ترجمہ کے عمل کے ذریعے نہ صرف دوسری قوموں کو اپنی تہذیب و تمدن سے متعلق آگاہی فراہم کر سکتے ہیں بلکہ دوسری قوموں کے تہذیب و تمدن اور ادب سے آگاہی بھی حاصل کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ فن ترجمہ نگاری ہر دور کی اہم ضرورت رہی ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ تو اپنی ادب سے متعلق دوسروں کو آگاہی فراہم کی جاسکتی ہے اور نہ ہی دوسروں کی ادب سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی ادب میں وسعت پیدا کی جاسکتی ہے۔

فن ترجمہ کی افادیت

دنیا کی کوئی بھی زبان ترجمے کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتی ہے اس لیے کہ اس وقت ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ ایک اہم ضرورت بن چکا ہے۔ اس وقت دنیا میں کوئی ایک بھی ایسا ملک نہیں ہو گا جس میں علمی، ادبی اور سائنسی مواد کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کا انتظام موجود نہ ہو۔

دنیا کی کوئی بھی زبان ترجمے کی اہمیت اور فادیت سے انکار نہیں کر سکتی ہے بلکہ آج کے دور میں تو ترجمہ دنیا کی تمام زبانوں کی ضرورت ہے ترجمے ہی کے ذریعے زبان پھلتی پھولتی اور نشوونما پاتی ہیں۔ ترجمہ نگاری کے عمل سے جہاں زبان کی نشوونما ہوتی ہے وہاں انسانی ذہنی سرحدوں کو کشادگی بھی نصیب ہوتی ہے۔ ترجمہ عملی طور پر دو زبانوں اور تہذیبوں کے درمیان پل کا کردار ادا کرتے ہوئے کسی بھی زبان کے متن کو اس کی تمام تر اسلوبیاتی خصوصیات اور تہذیبی خوبصورتیوں کے ساتھ ایک دوسری زبان میں منتقل کرنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ ترجمہ ہی کے ذریعے کسی قوم کی تہذیب و تمدن، ادب، تصورات، خیالات اور علوم وغیرہ کسی دوسری قوم کی طرف منتقل ہوتے ہیں گویا ترجمہ ان مذکورہ بالا چیزوں درآمد و برآمد کا ذریعہ ہے۔

کسی بھی زبان میں بیان کی ہوئی بات کو دوسری زبان میں منتقل کرنا یقیناً ایک مشکل کام ہے اس لیے کہ ہر زبان کی اپنی ضروریات اور خصوصیات ہوتی ہیں اسی طرح ہر زبان کے محاورے، استعارے، مزاج تراکیب، ضرب الامثال اور اس کی دائمی کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ کبھی کبھار تو کسی ایک زبان کے الفاظ میں وسعت اور گہرائی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ دوسری زبان میں اس کے مقابل الفاظ ڈھونڈنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں مفہوم میں وہ تاثیر پیدا ہی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایک مترجم کو اس سے بھی بڑی مشکل کا اس وقت سامنا کرنا پڑھتا ہے جب کسی زبان کے محاوروں اور ضرب الامثال کے ترجمے کی نوبت آتی ہے کیونکہ ہر زمان میں مخصوص محاورے اور ضرب الامثال پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ نہ تو آزادی کے ساتھ اپنی زبان کے محاسن کو دوسری زبان میں منتقل کر سکتا ہے اور نہ ہی دوسری زبان کی چاشنی کو اپنی زبان میں بیان کر سکتا ہے کیونکہ وہ مصنف کی طرح اپنی فکر کے مطابق اسلوب الفاظ اور استعارے استعمال کرنے میں آزاد نہیں ہوتا ہے۔

آج کے دور میں ترجمے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ زمانہ قدیم کے ادب میں نہ تھی کیونکہ شروع میں تو صرف دینی ابلاغ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ترجمے کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی جبکہ آج سائنس، تاریخ، فلسفہ، ادب اور دیگر تمام علوم بھی اس کے حصار میں آگئے ہیں اور ہندرتج اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اسے باقاعدہ ایک فن کا درجہ دیا گیا ہے۔

جب ہم مختلف قوموں کے ادب کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر و بیشتر کی جڑیں ترجمے سے جاملتی ہیں یعنی انہوں نے دوسری زبانوں کے ادب کو اپنی زبان کے قالب میں ڈھال کر ہی اپنے ادب کا آغاز کیا ہوا ہے۔ جس کی واضح اور نمایاں مثال مسلمانوں کا رومیوں کے علوم و فنون کا عربی میں ترجمے کرنا اور بعد از آل مغربی دانشوروں کا اعلیٰ عربی ادب کا اپنی زبانوں میں منتقل کرنا ہے۔ نیاز سواتی اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اپنے دور عروج میں مسلمانوں نے یونان اور سلطنت رومہ کا علمی سرمایہ ترجمے کے ذریعے عربی میں منتقل کیا اور اس سے بیش بہا فائدہ اٹھایا۔ تاریخ نے ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرایا اور مغربی یورپ کی اقوام نے عربی سے یہ تمام علمی سرمایہ اپنی زبانوں میں ترجمہ کر دیا۔ آج سماجی سائنسی علوم کا بیشتر علمی سرمایہ انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں میں موجود ہے۔“ (۷)

”نبی امیہ کے دور میں اکثر ترجمے اداروں، محکموں، سیاست اور تجارت سے مربوط تھے انہیں جدید احکام اور غیر عرب زبان لوگوں کے درمیان رابطہ کی ضرورت کی بناء پر ترجمہ کیا گیا، یہاں تک کہ اگر کوئی ایسا متن کہ جسے علمی کہا جاسکے ترجمہ ہوا تو وہ بھی فوجی یا محکمانہ ضرورتوں کی بناء پر تھا، ترجمے کی باقاعدہ تحریک جس نے بہت سے تاریخی، اجتماعی اور علمی آثار چھوڑے، اولین عباسی خلفاء کے دور سے شروع ہوئی۔“ (۸)

ڈاکٹر علی اکبر ولایتی نے اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ترجمے کی تحریک کی مزید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ علمی تحریک دو صدیوں سے زیادہ جاری رہی، بالخصوص بنو عباس کے دوسرے خلیفہ منصور عباسی کی حکومت کے زمانہ میں غیر مسلم اقوام کے علوم کے ترجمہ کے حوالے سے اہم اقدامات دور و شوش یعنی تحت اللفظی اور بالمجاورہ صورت میں انجام پائے، اس زمانہ میں پہلے ترجمے فارسی سے عربی میں ہوئے، ان کتابوں کے بیشتر مترجمین نو مسلم زر تاشتی تھے، چند ادبی کتابوں مثلاً کلیلہ اور دمنہ کا ترجمہ ایرانی مصنف عبداللہ مقفع (متوفی ۱۴۱ھ) کے ہاتھوں انجام پایا بعد والے ادوار میں اسلامی مترجمین ترجمہ کے فنون میں بہت زیادہ مہارت پیدا کر گئے اس فن میں اپنے تجربات کی بنیاد پر انہوں نے سریانی اور یونانی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کیا۔“^(۹)

سیدہ رضوانہ نقوی اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

”دنیا کے ادب کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ جہاں ادب کے پرستاروں نے بے انتہاد دولت خرچ کر کے غیر ملکی زبانوں سے معیاری اور اہم کتابوں کے تراجم اور اپنی زبانوں میں کروائے، تاکہ وہ علم کی اس دولت سے محروم نہ وہ جائیں۔ ہماری تاریخ بھی ترجمہ نگاری کی روشن مثالوں سے مالا مال ہے۔ ایران کے فرمانرواؤں، بغداد کے عباسی خلفاء اور مصر کے فاطمی خلفاء علم سے نہایت شغف اور محبت رکھے والے لوگ تھے اور انہوں نے نہ صرف دنیا کے نامور شہ پاروں کا عربی میں ترجمہ کروایا بلکہ لائبریریاں قائم کر کے ایک قابل تقلید مثال قائم کی۔“^(۱۰)

ترجمہ ایک مشکل کام سمجھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے مترجمین بھی اس فن سے خوف زدہ رہے ہیں اور اس خوف زدہ ہونے کی بھی کئی ڈوانے پہلو ہیں اس لیے کہ جس قدر خوف پایا جاتا ہے اتنے ہی دوسرے اور ہزاروں باتیں سننے میں آتی ہیں مثلاً یہ کہ مترجم کو اتنا ہی بڑا عالم ہونا چاہیے جتنا بڑا عالم اس کتاب اور فن پارے کا مصنف ہے۔ اس کے علاوہ مصنف جس زبان میں لکھتا ہے اس کا ماہر ہو یا نہ ہو لیکن مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں زبانوں کا ماہر ہو، اس لیے مترجم مصنف کے انداز بیان اور لسانی خصوصیات اور اس کے تعلیمی قابلیت نیز اس کے حالات زندگی اور اس کے افکار و نظریات سے جس قدر واقف ہو گا اتنا ہی اس کے لیے بہتر ہے۔ یہ اور ایسی بہت سی باتیں مترجم کے کام کو دشوار بناتی ہیں لیکن یہ باتیں نصف حقیقت ہیں۔ دنیا کے بہتر مترجم ان تمام خصوصیات پر پورا نہیں اترتے۔ اگر یہ سب باتیں کسی ایک شخص میں مجتمع ہو بھی جائیں تو یہ کب ضروری ہے کہ لازمی طور پر وہ ایک اچھا مترجم بھی ثابت ہو گا۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ترجمہ کیسا ہی تخلیقی کیوں نہ ہو آخر ترجمہ ہی ہوتا ہے۔ ترجمہ کا کام اگرچہ بنیادی طور پر ترجمانی ہے لیکن اس سادہ لفظ سے حقیقت حال پوری طرح واضح نہیں ہوتی۔

ترجمے کی شرائط

کسی علمی کتاب یا مقالے کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے اصل مواد کے الفاظ اور جملوں کو سمجھنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایک اچھا ترجمہ انجام دینے کے لیے مترجم کو اس سے کہیں زیادہ چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ترجمے کا عمل ہنرمندی اور عالمانہ طور یقے سے انجام دیا جائے تو اس کا مرتبہ تالیف و تصنیف سے کم نہیں ہوتا ہے۔ فن ترجمہ کے ماہرین نے ایک اچھے ترجمے کی شرائط بیان کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ زبان پر عبور

مترجم بننے کے لیے کم از کم دو زبانوں پر مکمل عبور لازمی شرط ہے ایک وہ زبان جس میں اصلی متن ہوتا ہے جو ”زبان مبداء“ کہلاتے ہیں اور دوسری وہ زبان جس میں ترجمہ کیا جائے جو ”زبان ہدف“ کہلاتی ہے۔^(۱۱) اگر دونوں میں سے ایک زبان پر کامل گرفت نہیں ہوگی تو مفہوم کو سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے یا مفہوم کو بالمجاورہ اور صحیح زبان میں ادا کرنے میں دقت پیش آ سکتی ہے۔

۲۔ متعلقہ علم، فن پر عبور

علمی، ادبی، فنی، سائنسی یا اس قسم کے دوسرے مواد کا ترجمہ کرنے کے لیے متعلقہ علم یا فن پر عبور ضروری ہے۔^(۱۲)

۳۔ موضوع بحث سے آشنائی

صرف کسی زبان کو سمجھنا اس بات کے لیے کافی نہیں کہ انسان اس زبان میں موجود ہر قسم کے موضوعات کا ترجمہ کرنے بیٹھ جائے بلکہ مختلف علوم کی اصطلاحات کبھی مختلف ہوتی ہیں لہذا اگر مترجم ترجمہ کے لیے مطلوب خاص موضوع سے واقفیت نہ رکھتا ہو تو وہ اس کا درست ترجمہ کرنے سے عاجز رہے گا۔ مثلاً اگر اصل موضوع کا تعلق فلسفہ یا منطق یا فقہ سے ہو تو ان علوم کی واقفیت کے بغیر یا تو ترجمہ نہیں کر پائے گا یا کوئی غلط، مبہم اور غیر معیاری ترجمہ کر بیٹھے گا۔

فن ترجمہ کے وجود میں آنے کے اسباب

ترجمے کا فن بہت ہی قدیم ہے لہذا تاریخ کے ہر دور میں اس فن کے وجود میں آنے کے اسباب اور وجوہات بھی مختلف رہی ہیں بہر حال ہم یہاں پر ان میں سے چند ایک وجوہات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ طلب اور ضرورت

سب سے پہلے تو ظاہر ہے کہ ترجمے کی ضرورت ہی اس کی ایجاد کا اصل اور بنیادی محرک ہے اب یہ ضرورت کبھی مذہبی رہی ہے اور کبھی علمی، تجارتی، سیاسی اور کبھی سماجی ضرورت کے تحت ترجمہ وجود میں آیا ہے۔ عربوں نے عباسی دور میں یونانی، سریانی، سنسکرت، فارسی، قطبی و دیگر زبانوں سے فلسفہ، طب، ریاضیات، فلکیات و سیاست اور دیگر علوم جن سے وہ ناواقف تھے ترجمہ کے ذریعہ عربی میں منتقل کروائے، اس کے لیے عباسی خلفاء نے بغداد میں بیت الحکمت قائم کیا اور دنیا کے گوشے گوشے سے مختلف علوم کے ماہرین کو جمع کیا۔

۲۔ تہذیبی اختلاط اور ارتباط

متمدن معاشرہ میں رہنے والا انسان زمانہ قدیم سے ہی ترجمہ کا محتاج رہا ہے کیونکہ یہی وہ ذریعہ ہے جو اسے دیگر اقوام و تہذیبوں سے جوڑتا ہے اور ان سے روابط استوار کرنے اور افکار و خیالات کا تبادلہ کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو ہے۔

۳۔ علمی میدانوں میں دوسروں سے مسابقت کا جذبہ

علمی میدانوں میں دیگر اقوام کے ساتھ مسابقت کے جذبے کو بھی فن ترجمہ کے وجود میں آنے کے اسباب میں سے قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ فن ترجمہ شروع ہی سے قوموں میں فکری و ثقافتی انقلابات کا نقیب رہا ہے۔ مختلف علمی و فکری تحریکیں ترجمہ ہی کے سبب اٹھی ہیں۔ چنانچہ اسلام کے ابتدائی ادوار میں مسلم خلفاء و سلاطین نے پھیلتی ہوئی مسلم سلطنت کے علمی و فکری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ترجمہ کی ضرورت کو محسوس کیا اور اقوام عالم کی تہذیبوں سے استفادہ کے دروازے کھولے۔

اسلامی علوم کے تراجم کی ابتداء

کہا جاتا ہے کہ مذہبی طبقات میں مسلمانوں سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں میں ترجمہ کی روایت موجود تھی مگر اسے مستحسن نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہودیوں کی اصل زبان عبرانی تھی۔ یہود اسیری کے سبب نئی زبان بولنے لگے اور تورات کا متن عبرانی میں تھا۔ اس لیے انہیں تفہیم میں مشکل پیش آئی تو انہوں نے ترجمہ کا سلسلہ شروع کیا۔ بائبل کی لغت قاموس الکتاب میں اس سلسلے میں کچھ یوں لکھا ہے:

”توریت میں ایک آیت عبرانی میں پڑھی جاتی، پھر اس کا ترجمہ آرامی میں کیا جاتا، صحائف انبیاء سے تین تین آیات کے بعد ترجمہ کیا

جاتا تھا۔ شروع میں ترجمہ کو لکھ کر جماعت کے سامنے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔“ (۱۳)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہودی اپنی اصل زبان کھو بیٹھے اور یہی حالت عیسائیوں کی ہوئی۔ اس لیے اب مذہب کی بقا تراجم کے ساتھ وابستہ تھی اگر تراجم کا سلسلہ نہ شروع کیا جاتا تو مذہب کی ترویج مشکل تھی۔ چنانچہ تراجم کا سلسلہ شروع ہوا تو اسے بعض قدامت پسندوں نے سخت ناپسند کیا۔ توریت اور انجیل کے مترجمین کے حصے میں ایذا، جلاوطنیاں اور پھانسیاں آئیں۔ اس کے باوجود تراجم کا سلسلہ نہ رکا، آج تمام یہودی اور عیسائی ترجمہ کے ساتھ توریت و انجیل پڑھتے ہیں۔ اُن کا اصل متن محفوظ نہیں۔

اسلام میں ترجمہ کی اجازت ہے۔ قرآن مجید کا ترجمہ قرآن کے الفاظ کا نعم البدل نہیں ہو سکتا ہے مگر تبلیغی ضرورت کے پیش نظر ترجمے کا جو از ہے۔ مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کا اصل متن محفوظ ہے اور ترجمہ کو اصل عبارت کے ساتھ پڑھا جائے تو درست ہے۔ اسلام آفاقی دین ہے اس کے ابلاغ کے لیے ایک زبان میں تعلیم ناممکن ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو دیگر زبانیں سیکھنے سے نہ صرف منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے صحابہ کو غیر زبانیں سیکھنے کی ترغیب دی۔ آپ نے یہودیوں سے خط و کتابت ان کی زبان میں کرنے کے لیے حضرت زید بن ثابتؓ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔

مسلمانوں کے ہاں عربی کے علاوہ دیگر زبانیں سیکھنا، بولنا اور لکھنا غلط نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے جناب سلمان فارسیؓ کو اپنے علاقہ والوں کے لیے سورہ فاتحہ کا ترجمہ فارسی زبان میں کرنے کی اجازت دی۔ لہذا کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کا پہلا مترجم جناب سلمان فارسیؓ ہیں جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں اس کام کا آغاز فرمایا تھا اور اگر یہ عمل درست نہ ہوتا تو آپ سلمان فارسیؓ کو اس کام سے منع فرماتے جبکہ آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا۔

جناب سلمان فارسیؓ کے ہاتھوں قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کے آغاز کے حوالے سے مرحوم پروفیسر امیر الدین مہر علامہ سرخسی کی مشہور کتاب ”مبسوط“ اور روح المعانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”روی ان الفرس کتبوا الی سلمان ان یتبہ لہم الفاتحہ بالفارسیہ وکانوا یقرون ذلک فی الصلوۃ حتی لانت السنۃ للعربیۃ“ اسی بات کی مزید تشریح و تائید کرتے ہوئے روح المعانی کے مصنف لکھتے ہیں: ”وفی النہایۃ والدرایۃ ان اہل فارس کتبوا الی سلمان الفارسی ان یتبہ لہم الفاتحہ بالفارسیۃ کتب۔“ (۱۳)

مسلمانوں میں ترجمے کی اس روایت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور اس عمل کو تبلیغ دین کے لیے ایک موثر اور مفید ذریعہ قرار دیا گیا جیسا کہ شاہ ولی اللہ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ:

”کسی غیر قوم پر دین حق کی تبلیغ اتمام حجت کی حد تک کرنا، مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسلامی اصول مخاطب کی زبان میں پیش کئے جائیں تاکہ وہ آسانی سے سمجھ سکیں۔“ (۱۵)

پس اتمام حجت اور تبلیغ دین کی غرض سے تراجم کا سلسلہ قرون اولیٰ سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب ”القرآن فی کل لسان“ میں تراجم سے متعلق خاصا مواد موجود ہے۔ تراجم کی فہرست پر خاصہ کتابیں موجود ہیں، تراجم کی تعداد کا تعین نہیں کیا جاسکتا ہے اور ترجمہ کی روایت کو آگے بڑھانے والے عجمی ہیں۔ علامہ رحمت اللہ طارق لکھتے ہیں:

”عرب چونکہ اپنی زبان ہی جانتے تھے، لہذا تراجم کے لیے ان ہی عجمیوں کو آگے بڑھایا گیا۔“ (۱۶)

برصغیر میں اسلامی متون کے تراجم کی روایت

برصغیر ایک قدیم تاریخی علاقہ ہے۔ خطہ ارض میں قبل مسیح بھی یہ علاقہ اپنا مقام رکھتا تھا۔ اگر عربوں کی بات کی جائے تو زمانہ جاہلیت کے عرب بھی برصغیر سے متعلق آگاہی رکھتے تھے اور زمانہ قدیم سے عربوں کے اہل ہند کے ساتھ تجارتی رابطے تھے طلوع اسلام کے بعد مسلمان بھی تجارت کی غرض سے ہند آتے رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں بھی اہل ہند کے تذکرے ملتے ہیں۔

برصغیر میں ترجمہ قرآن کی روایت کب شروع ہوئی اور اس کا رنامے کو کس نے انجام دیا تھا اس سلسلے میں علامہ بزرگ بن شہریار رامہر مزید لکھتے ہیں:

”تیسری صدی کے وسط میں (سندھ کے علاقے کے راجہ مہروک بن رائق کی استدعا پر سندھ کے عربی گورنر عبداللہ بن عمر بن عبدالیز (۸۹۳ م) نے ایک عراقی عالم کو جسے سندھی زبان پر پوری دسترس تھی اور وہ سندھی زبان میں شاعری بھی کرتے تھے مامور کیا کہ وہ رواں سندھی زبان میں قرآن محکم کا ترجمہ کرے۔ چنانچہ راجہ کو پیش کیا گیا تو سورہ یٰسین کی آیت ”من یٰحییٰ العظام“ ہی رمیم“ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور دیر تک اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگی رہیں۔“

کہا جاتا ہے کہ برصغیر میں سندھی زبان میں قرآن مجید کا یہ پہلا ترجمہ تھا مگر یہ ترجمہ اب موجود نہیں ہے لہذا عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ برصغیر میں ترجمہ قرآن کی روایت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے رکھی ہے جبکہ تحقیق سے یہ بات غلط ثابت ہوئی ہے کیونکہ اس سے پہلے قرآن کے مکمل اور جزوی تراجم برصغیر کی مختلف زبانوں میں موجود تھے۔

پروفیسر امیر الدین مہر (مرحوم) اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

”برصغیر کا پہلا فارسی ترجمہ قرآن بھی باب الاسلام سندھ میں ہی ہوا جو مخدوم لطف اللہ مخدوم نعمت اللہ المعروف مخدوم نوح رحمہ اللہ علیہ (۹۱۱ھ تا ۹۹۸ھ) ساکن ہالا ضلع حیدر آباد نے کیا۔ یہ ترجمہ زمانے کی دست برد سے محفوظ رہا اور محمد اللہ اب طبع ہو کر شائع ہو گیا ہے۔ مذکورہ ترجمے کی طباعت و اشاعت سے پہلے عام طور پر اہل علم میں یہ مشہور تھا کہ برصغیر میں سب سے پہلا مکمل ترجمہ قرآن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۳ء تا ۱۷۶۲ء) کا یہ لیکن اب مخدوم نوح کے اس ترجمہ کی طباعت و اشاعت کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ برصغیر میں پہلا ترجمہ شاہ ولی اللہ کے ترجمے سے تقریباً دو سو سال پہلے خطہ سندھ میں ہوا ہے۔“ (۱۷)

پاکستان میں اسلامی متون کے تراجم کی روایت

۱۹۴۷ء میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام کے بعد جس وقت اردو کو قومی زبان کا درجہ دیا گیا اس کے بعد سے ہی نہ صرف قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور دیگر اسلامی متون کا اردو زبان میں تراجم کا سلسلہ شروع ہوا بلکہ دنیا کی دیگر مشہور زبانوں کے علمی اور ادبی آثار کے تراجم کا سلسلہ بھی شروع ہوا جو محمد اللہ آج تک جاری و ساری ہے۔ ہماری قومی زبان اردو کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ قرآن مجید میں اب تک دنیا کی جن زبانوں میں تراجم ہوئے ہیں ان میں اردو کے تراجم کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

تجاویز

* ہمارے ملک میں فن ترجمہ کو اس کے شایان شان مقام نہیں دیا جا رہا ہے لہذا سب سے پہلے تو اس فن کی اہمیت کو جانتے ہوئے اسے اس کا شایان شان مقام دیا جائے۔

* ہمارے ملک میں ترجمہ کاری کے فن کو سرکاری اور نجی شعبوں میں بڑے پیمانے پر شروع کرنے کی ضرورت ہے۔

* جامعہ گجرات کے مرکز برائے السنہ و علوم ترجمہ اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ہندوستان کے شعبہ ترجمہ کے طرز پر ملک کی پبلک اور نجی جامعات میں شعبہ علوم ترجمہ قائم کرتے ہوئے مختلف زبانوں کے مترجمین کی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔

* دینی مدارس اور حوزات علمیہ میں طلاب کو دینی متون کے ترجمے کے فن سکھانے کے لیے خصوصی بندوبست کیا جائے۔

* ملک کے طول و عرض میں ترجمے کے فن سے وابستہ مترجمین اور اداروں کو آپس میں مربوط رکھنے کے لیے اکادمی ادبیات پاکستان یا مقتدرہ قومی زبان جیسے کسی وفاقی ادارے کے زیر اہتمام کوئی ذیلی ادارہ قائم کرتے ہوئے اس فن سے وابستہ افراد اور اداروں کے درمیان ہماہنگی کی فضا قائم کی جائے۔

* دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہونے والی اہم کتابوں کی نہ صرف قومی زبان اردو میں ترجمے کی ضرورت بلکہ علاقائی زبانوں میں ترجمہ کر کے ان زبانوں کو وسعت دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح قومی زبان اردو کے ساتھ ساتھ ہماری علاقائی زبانوں میں موجود اہم ادبی کتابوں کا دنیا کی مشہور اور بڑی زبانوں میں ترجمے کا اہتمام کرتے ہوئے دنیا کو اپنی تہذیب و ثقافت سے متعلق آگاہی فراہم کی جاسکتی ہے۔

حوالہ جات

^۱ استاج العروس، فصل الناء۔

^۲ <https://manuu.ac.in/DDE-Unit1.pdf> ترجمہ کی تاریخ۔

^۳ ترجمہ کاری، ڈاکٹر ناصر عباس نیر، مقدمہ ترجمہ کاری، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اردو، ۲۰۱۴ء۔

^۴ محدثی، جواد، روشین، مترجم معارف اسلام پبلشرز، قم: نور مطاف، ۱۴۲۲ھ، ص ۱۲۔

^۵ فخری، احمد حاجی، دو تراجم، رسالہ اردو اور نگ آباد (دکن) اکتوبر ۱۹۲۹ء۔

^۶ ترجمہ کیسے کریں؟ مدنی، ابوریان تصور حسین، کراچی: مکتبہ ریان، ص ۱۴۔

^۷ <https://islamojadidiat.wordpress.com/> ترجمہ کاری: فن، اہمیت اور مسائل۔

^۸ دلا بقی، علی اکبر، ڈاکٹر، اسلامی تہذیب و ثقافت، مترجم معارف اسلام پبلشرز، قم: نور مطاف، ۱۴۲۸ھ، ص ۴۰۴۔

^۹ ایضاً۔

^{۱۰} <https://jang.com.pk/news/506480> ترجمہ نگاری ایک لسانی اور فکری جہت۔

^{۱۱} جواد محدثی، روشین، قم: نور مطاف، ص ۱۲۔

^{۱۲} مسکین حجازی، پاکستان میں ابلاغیات ترقی اور مسائل، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور: ص ۶۹۔

^{۱۳} قاموس الکتاب، ۲۳۰۔

^{۱۴} امیر الدین مہر، برصغیر میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ، سہ ماہی فکر و نظر، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، اپریل۔ جون ۱۹۹۳ء۔

^{۱۵} شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، دہلوی، حجة البالغہ، جلد ۱/۱، دار الکتب بیروت، ۲۰۰۵ء۔

^{۱۶} رحمت اللہ طارق، علامہ، انسانیت پہچنان کی دلیلیں پر، ملتان: ادارہ ادبیات اسلامیہ، ۲۰۱۴ء، ص ۲۳۳۔

عالمیرالدین مہر، برصغیر میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ۔